بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

اس وقت روس کے حلقہ ہائے اثر اندازی (LABBIES) ہمارے اندر مختلف طریقوں سے کام کر رہے ہیں، ہر ایک کی اپنی مفروضہ لائن ہے۔ یہ سارے حلقے ہمیں خوشی خوشی روس کا شکار بننے کے لیے تیار کرنے کے ساتھ پاکستان کے نظریۂ اساسی اور ریاست کے اسلامی مقاصد سے دور کرنے کے درپے ہے۔

ایک عنصر کہتا ہے کہ ہمیں غیر جانب داری اختیار کر لینی چاہیے۔ حالانکہ سیاسی و فوجی لحاظ سے ہم پہلے ہی سے غیر جانب دار ہیں۔ البتہ ایک اعتقادی، نظریاتی اور مقصدی ریاست کی حیثیت سے ہمارا وجود روس کی سوشلسٹ آئیڈیالوجی سے ٹکراتا ہے۔ اس عنصر کو یہ اندازہ نہیں کہ روسی لغت میں غیر جانب داری اور غیر وابستگی کے کیا معنی ہیں۔ پاکستان اگر کیوبا والی پوزیشن اپنا لے، اور جب تک ایسا نہ ہو کم سے کم روس کے بارے میں بھارت کا سا رویہ اختیار کر لے تو شاید اسے غیر جانب داری کا سرٹیفکیٹ مل جائے۔

ایک عنصر کہتا ہے کہ فوراً روس سے دوستی قائم کر لینی چاہیے۔ یہ عجیب صورت ہو گی کہ جب کوئی بڑی قوت آرمرڈ کاروں، ٹینکوں، طیاروں اور میزائیلوں سے لیس ہو کر آپ کی سرحد پہ آ کھڑی ہو تو آپ پیغام بھجوائیں کہ ہم تو آپ کی دوستی کو ترس رہے تھے۔ یہ دانشور عنصر گویا لومڑیوں کی سی عیاری کے ساتھ ساری قوم کو خرگوش بنا کر ریچھ یا بھیڑیے سے دوستی کرانے نکلے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اگر صیاد کو سنگلاخ راستے سے شکار کی طرف بڑھنے کے بجائے دوستی کی صاف ستھری سڑک

بنی بنائی مل جائے اور شکار ہونے والے خود ہی حاضر ہو رہے ہوں تو یقیناً اس کا دردِ سر بڑی حد تک کم ہو جائے گا۔ مگر یہ بات ضرور قابلِ غور ہے کہ خرگوشوں پر تو جو شفقت ہوگی وہ ہوگی ہی — مگر لومڑیانِ کرام کا حشر بھی کچھ اچھا نہیں ہوگا۔

دوستی ہو جانے کے بعد اگر روس یہ پیش کش کرے کہ میرے فوجی اور سول اور ٹیکنیکی ماہرین یہاں رہ کر پاکستان کی خدمت کرنا چاہتے ہیں، یا اگر وہ چاہے کہ سارا صنعتی مال اسی سے خریدا جائے اور خام مال اسی کو بیچا جائے، یا اگر وہ تقاضا کرے کہ مجھے کابل سے کراچی تک کا راستہ درکار ہے، یا مکران کے ساحل پر مجھے بندرگاہ بنانی ہے۔ یا پاکستان کے دستور سے اسلامیت کے اثر کو نکال دیا جائے۔ یا فلاں فلاں کمیونسٹوں کو خاص خاص پوزیشنز دی جائیں، یا سوشلزم کے خلاف لٹریچر شائع نہ ہو تو کیا آپ مضبوطی سے انکار کر سکیں گے؟

ایک دوستی کا حشر تو ہمارے سامنے ہو چکا ہے۔ افغانستان دوست ہی تو تھا، وہی دوست ملک آج روس کے ہاتھوں برباد ہو رہا ہے۔ کل جب ہمارے ساتھ بھی دوستی معاشقے تک جا پہنچے گی تو وہی عذر سامنے رکھ کر کہ مغربی رقیب مداخلت کر رہے ہیں یا چین خلل انداز ہو رہا ہے، درۂ خیبر اور بولان سے سرخ فوج واہگہ تک جا پہنچے گی۔ احسان یہ رکھا جائے گا کہ ہم تمہیں بچانے آئے ہیں اور عملاً کرم یہ ہوگا کہ پورے پاکستان کو روند کر کچل دیا جائے گا۔ اور کٹھ پتلی حکومتیں ٹوٹتی بنتی رہیں گی اور تمام در و بست ہاتھ میں لے کر آبادی کو لونڈی غلام بنا کے استعمال کیا جائے گا۔ بلکہ یہیں سے بیگاریوں کو بھرتی کر کے روس میں پہنچا دیا جائے گا، اور جو یہاں رہیں گے اُن کو بھاری کاموں میں جوت کر قدغن لگا دی جائے گی کہ کوئی آواز بلند نہیں کر سکتے۔ اخبار نویس اور ادیب اور مصنف جو مزے آج کر رہے ہیں کہ جو چاہا لکھ دیا اور لیڈروں نے جو چاہا کہہ ڈالا اور ذرائع ابلاغ کے کارپرداز جیسی چاہیں اثر اندازی کرتے رہیں، شعر و ادب کے دائرے میں فن کار اپنی مرضی کے نکتے بیان کرتے رہیں — یہ حالت باقی نہیں رہے گی۔ بنیادی حقوق کے یہ چونچلے، جمہوریت کے یہ مطالبے، انتخابات کا یہ شوق، سنسر شپ سے یہ بیزاری، سیاسی اختلافات پر نظر بندیوں اور سزائے قید و گولا مارنے کے خلاف شدید ردِ عمل ان میں سے کچھ باقی نہیں رہے گا۔ سلامتی کا راستہ پھر تو پنجابی کے محاورے کے مطابق یہی ہوگا کہ "دڑ وٹ، دیہاڑا کٹ" یعنی دبک جاؤ اور وقت گزارو۔

ایک فریق اور بھی ہے جو کہتا ہے کہ روس "آ رہا ہے ہی آ رہا ہے" یہ وہ لوگ ہیں کہ کچھ عرصے سے پوری قوم سے، حکومت سے، فوجیوں سے، اسلامی عناصر سے، بلکہ خود اسلام سے اس درجہ ناراض ہیں کہ اپنے اندر ویسا روایتی انتقام رکھتے ہیں کہ "بیٹا مرے تو مر جائے مگر بہو کا مان ٹوٹے"۔ ان کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص گھریلو معاملات سے بگڑ کر اٹھے اور پھر باہر جا کر ایسی قوتوں کو ناش کرے جو اس گھر کو ——— ماں باپ، بہن بھائیوں ——— سب کو تباہ کر دے جس میں اس کی بے دقری ہوتی۔ انہیں دین و ملت و وطن سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ یہ لوگ سرحد پہ جا کر جارحیت کار کے لشکریوں کا خیر مقدم بینڈ باجے سے کریں گے اور ان سب کو ہار پہنا کر لائیں گے، پھر نوواردکی خوشامد اور خدمت کر کے ایک ایک مقامِ انتقام کی نشاندہی کریں گے۔ تاریخ میں اس سے بڑھ کر ذلت کا کوئی دوسرا مقام شاید ہی ہو۔ اور ایسے لوگوں کا اپنا انجام ہمیشہ بُرا ہوتا ہے۔

پھر پکے کمیونسٹ اور ادھ کچرے کمیونسٹ ہیں جو عام بے دین اور سیکولر حلقوں سے بھی حمایت حاصل کرتے ہیں، یہ لوگ ایک طرف افغانستان میں روسی جارحیت کا سارا الزام امریکہ اور چین کی مداخلت کاری پر رکھتے ہیں، دوسری طرف یہ خوف دلاتے ہیں کہ روس جیسی سپر پاور کا کیا مقابلہ، اور تیسری طرف یہ لوگ یہ کہتے ہیں اگر فوجی آمریت کی جگہ روسی آمریت آجاتی ہے تو عوام کے لیے کون سا بڑا فرق واقع ہوتا ہے ——— ہاں البتہ روس آئے گا تو جاگیرداروں اور علماء اور لیڈروں اور بعض مصنفین کا اس طرح صفایا کرے گا کہ بس غریبوں کے تمام دلدر دُور ہو جائیں گے۔

اس مشہور دانشور طبقے کی یہ ساری باتیں محض فریب کارانہ باتیں ہیں۔ قوم کے خواص اور غریب تو الگ رہے، ایک دن خود یہ دانش ور طبقے انسان کُش اشتراکی جبریت کے خلاف چیخنا چاہیں گے اور اس جرم پر ان سے قلم و قرطاس چھین کر انہیں کسی پاگل خانے یا کینسر وارڈ میں پہنچا دیا جائے گا۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ خود روس کے سائبیریائی خطے میں ان کو جگہ دی جائے۔

ان لوگوں کا حال ہانکا کرنے والے ان فرومایہ لوگوں کا ہے جو شکار کو جمع بھی کرتے ہیں، اس کو افیون بھی کھلاتے ہیں، اس میں بزدلی پیدا کرتے ہیں اور پھر صیاد کو دعوت دیتے ہیں کہ آئیے سارا کام تیار ہے، یا یوں سمجھیے کہ ان کا مرتبہ وہی ہے جو نظامِ بردہ فروشی کاری کے لیے مٹھائی کھلا کر بچوں کو پکڑنے والے ماہرین کا

ہوتا ہے۔

مگر روسی کمیونزم و سوشلزم کو جو بڑی چوٹ افغانستان میں لگی ہے اور جس کے احوال دنیا بھر کے سامنے آگئے ہیں اور جس کی حقیقت کے زندہ ترجمان کئی لاکھ کی تعداد میں مہاجر کیمپوں میں پڑے ہیں، اس کے بعد پاکستانی کمیونسٹوں کے پاس یہی حربہ رہ گیا ہے کہ یا تو وہ موجودہ فوجی حکومت کے خلاف پوسٹر بازی اور سرگوشی سے کام لیں، یا انتخابات کا راگ الاپ کر قوم کی توجہ وقت کے فریضۂ جہاد سے ہٹا دیں۔

یہ اہم ترین عنصر اس وقت نشر و اشاعت اور ابلاغ کے اداروں میں مورچے لگائے ہوئے، انتظامیہ، محکمہ تعلیم اور محکمہ خارجہ میں محاذ آرا ہے۔ کتنے لسانی اور ثقافتی ادارات میں خندقیں کھودے بیٹھا ہے، باہر بیٹھ کر کام کرنے والے ساتھیوں کی فتنہ طرازیوں سے اس کا ربط قائم ہے، یہاں کے روسی اور دوسرے بیرونی سفارت خانوں سے اس کے پُراسرار تعلقات ہیں۔ خاص خاص لوگ روسی پشت پناہی سے عالمی سفروں پر جاتے ہیں۔ کچھ لوگوں کو ماسکو سے ان کی ترجمہ کردہ کتابوں کی بھاری رائلٹی آتی ہے۔ یوں بھی موقع بہ موقع ان حلقوں میں پُراسرار ہُن برستا رہتا ہے۔ پھر یہ لوگ خوشامد کے ماہر ہیں، افسروں کو خوب مسکہ لگا سکتے ہیں۔ اسلام کے نعرے بلند کر سکتے ہیں۔ ایکٹروں کی طرح کوئی سا پیرایہ اختیار کر سکتے ہیں۔ درحقیقت روسیوں کی یہ فکری سفر مینا پارٹی ہے جو وقت آنے پر آگے آگے سڑک یا پل تیار کرتی ہے۔

اصلاً تو یہ ذمہ داری حکومت کی ہے کہ وہ ان عناصر کی کڑی نگرانی کرے اور حساس پوائنٹس سے ان کو ہٹا کر اِدھر اُدھر کر دے، اُن کو خوشامد اور بہروپیے پن کی آڑ میں اثر انداز نہ ہونے دے۔ ادارات سے اُن کا تسلط توڑے۔ جیسا کہ حکام کے بیانات اور تقاریر میں کہا بھی جاتا ہے، مگر عملاً اب تک کچھ ہوا ہوایا نہیں۔ بعد کی ذمہ داری عوام کی ہے کہ حکومت اگر کچھ نہ کر سکے تو ایک تو عوام اُن کو پہچانیں۔ اُن کی لسٹیں مہیا رکھیں اور ہر ایک کی خاص کارکردگی کی رپورٹ مکمل کریں۔ اُن کی ہر بحث کا مسکت جواب دیں۔ اور کسی وقت اگر یہ محسوس کریں کہ کوئی غلط کارروائی شروع کر دیں تو اُن کا ڈٹ کر مقابلہ کریں۔

اُردو کی بحث کے متعلق مجھے ایک ایسی بات کہنی ہے جسے بہت کم لوگ توجہ دے سکے ہوں گے۔

تاریخ میں یہ ایک ایسا لمحہ ہے کہ روس باہر سے وسائل، اسلحہ اور پروپیگنڈہ کی قوتوں سے خوب آراستہ ہونے کے باوجود نظریاتی محاذ پر داخلی شکست سے دوچار ہے۔

ایک طرف یہ حقیقت دنیا پر اچھی طرح آشکار ہو چکی ہے کہ سوویت کمیونزم جنگی اور خلائی لحاظ سے کتنا ہی ترقی کر گیا ہو، عوامی ضروریات سے تعلق رکھنے والی معیشت میں وہ اپنے فلسفیانہ تصورات کے لحاظ سے بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ مارکس کے نظریات پر مبنی یہ تخیل کہ بورژوا آمریت معاشی سرگرمی کی رفتار کو سرمایہ دارانہ نظام سے بڑھ کر تیز کر دے گی اور طبقاتی تفاوت مٹنے کی وجہ سے قدرِ زائد (SURPLUS VALUE) کی تقسیم اتنی منصفانہ ہوگی کہ عوام دوسرے معاشروں سے زیادہ خوشحال ہو جائیں گے۔ آج ماسکو کے بورا ہے میں کرچی کرچی ہوا پڑا ہے......

دوسری طرف اشتراکیت کا یہ تاریک پہلو بھی ہر کسی کے سامنے آ گیا ہے کہ سُرخ نظام کا چلنا انسانی حقوق کو کچلنے والی مکمل جبریت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ بنیادی حقوق کی پامالی کے خلاف دانشوروں کا وہی طبقہ صدائے احتجاج بلند کرنے پر مجبور ہو گیا ہے جو اشتراکی انقلاب کا ہراول دستہ تھا۔ پیسٹرنیک سے سخاروف تک کتنے ہی مصنف اور ادیب اور سائنس دان حکومت کا نشانۂ عتاب بنے، کتنوں نے ملک چھوڑا۔ اور کتنے کھلے مظاہرے کرنے کی وجہ سے جیلوں اور پاگل خانوں میں ہیں۔ یہ ہمارے اپنے سُرخ دانشوروں کے مغز مارنے کا مسئلہ ہے۔ کم سے کم اُن کے پیش کردہ خوبصورت ادبی نعرے اور اشتراکیت کی عکاسی کرنے والے افسانے اور انقلابی نظمیں، سب کے معنی ختم ہو گئے ہیں۔ اس سلسلے میں افغانستان میں جو فضیحتا نام نہاد مساواتِ انسانی اور عدلِ معاشی کے نظام کا ہوا ہے اس نے دنیا جہان کی آنکھیں کھول دی ہیں۔ افراد کے قتل مقاتلے کے علاوہ حکومتوں کا بار بار خونیں عمل سے بدلنا اور ہر بار اشتراکیت کے کسی آلۂ کار خادم کا ملیامیٹ ہو جانا۔ پھر چھوٹے سے ملک میں بھاری فوج اُتار دینا اور اس فوج کا بموں اور راکٹوں سے غریب لوگوں کی بستیوں کو تباہ کرنا، انسانوں کو زہریلی گیس کا شکار بنانا اور اس ساری کارروائی کے لیے بہانہ یہ گھڑنا کہ بعض مداخلت کار قوتوں کی وجہ سے روس کو فوجی مداخلت کرنی پڑی ہے۔ لیکن اس کی فوجی کارروائی کا نشانہ کوئی مداخلت کار نہیں۔ افغانستان کی بے گناہ آبادی بنی ہے، عورتیں اور بچے تباہ ہو رہے ہیں اور خود افغانستانی فوج بھاگ بھاگ کر مجاہدین سے مل رہی ہے۔ اس صورتِ حالات کی گواہی یہ ہے کہ اصل مداخلت کار

خود روسی ہیں۔ پھر وہ مجاہدین کا قلع قمع کرنے کے لیے اُن کو ڈاکو اور قاتل قرار دیتے ہیں، حالانکہ ڈاکوؤں اور قاتلوں کا کردار خود اُن کا اپنا ہے۔

پھر اس وقت لاکھوں کی تعداد میں جو مہاجرین پاکستان میں پڑے ہیں اُن سے پوچھا جا سکتا ہے کہ وہاں اُن کو کیا پیش آیا اور انہوں نے کس کو مداخلت کار دیکھا۔

غرض کہ روس کا کردار اس وقت "انتہائی ظلم بلا دلیل" کا ہے۔

تانہ سانحۂ افغانستان کے خلاف جب صومالیہ، ارٹیریا اور جنوبی یمن میں روسی مداخلت کا جائزہ لیا جاتا ہے تو جہاں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ روس کا یہ توسیعی عمل ہے، وہاں یہ راز بھی خوب عیاں ہو جاتا ہے کہ اس کے عالمی کردار میں مجموعی طور پر مسلم دشمنی بہت مؤثر حصّہ رکھتی ہے۔

تیسری چیز وہ نہایت اہم شکست ہے جو فلسفۂ اشتراکیت کو اپنی اساسی فکر کے محاذ پر منڈ لاتی دکھائی دے رہی ہے۔ وہ یوں کہ اشتراکیت جس ملحدانہ مادّیت اور جدلی تاریخ کے نظریے پر کھڑی کی گئی تھی اس کا ایک اصل الاصول یہ تھا کہ مذہب کوئی محرکی اور تعمیری قوت نہیں، بلکہ ایک افیون ہے۔ اہل مذہب عوام کو اس افیون کے نشے میں بدمست رکھتے ہیں اور ترقی میں رکاوٹ بنتے ہیں، لہٰذا اُن کا قلع قمع کر دینا چاہیے۔ لینن کا مشہور مقالہ (ON RELIGION) اس سلسلے میں خاص طور پر قابلِ مطالعہ ہے۔ اشتراکی فلسفہ کے رُو سے مذہب کا پارٹ تاریخ میں ہمیشہ رجعت پسندانہ رہا ہے۔ اور اس کا چلن صرف جاگیردارانہ دور تک ممکن تھا۔ سائنس، صنعت اور ٹیکنالوجی کے دَور میں مذہب کا ایک تاریخی قوت بننا ناقابلِ تصور ہے۔ اسی لیے اپنے اردگرد کی مسلم ریاستوں کو فتح کرنے کے بعد روسیوں نے اسلامی ادارات کو ختم کر دیا۔ روایات و اقدار کو ملیامیٹ کر دیا۔ مسجدوں کو بند کیا، پردہ کا خاتمہ کیا، نیز نہایت سختی سے اسلام کے تبلیغی عمل کو ختم کر دیا۔ یہاں تک کہ نئی نسلوں کو پچھلی نسل کے دائرہ اثر سے نکال لیا۔ اور رسم الخط کی تبدیلی سے پرانے دینی لٹریچر کو مسلمانوں کے لیے بے کار کر کے اُن میں فلسفۂ الحاد کو پھیلا دیا۔ اب گویا روسی اشتراکیوں کے نزدیک اسلام کا چمن ہمیشہ کے لیے ویران ہو گیا۔

مگر آج جو صورتِ حالات روس کے سامنے آئی ہے کہ پاکستان کے علاوہ مصر اور سوڈان ترکی اور ایران، انڈونیشیا اور ملائشیا ہر طرف سے اسلامی تحریکات انقلابی لہریں اُٹھا رہی

ہیں۔ خصوصاً ایران میں تو اسلامی فکر و جذبہ کے زیرِ اثر عوام نے بادشاہت کے بڑے مضبوط تخت کو الٹ دیا ہے۔ یہ صورتِ واقعہ سرے سے فلسفہ اشتراکیت کی جڑ کاٹ دینے والی ہے۔ مزید ستم یہ ہوا کہ روسی سامراج کا لقمہ بننے والی مسلم ریاستوں میں بھی دبا دبا اسلامی جذبہ اس طرح محسوس ہو رہا ہے جس طرح گھاس کے نیچے نیچے پھیلتا ہوا پانی چاندنی میں چمکتا ہے۔ اسلام کی عالمی تحریک جس نے پہلا انقلابی ڈرامہ ایران میں سٹیج کیا ہے۔ اُس کی تابانی و لمعانی میں رُوس کو اپنے ہاں گھاس کے نیچے کا متحرک پانی دکھائی دینے لگ گیا ہے۔ گویا معاملہ اب محض نظریاتی شکست کا نہیں بلکہ ایران میں بھی، پاکستان میں بھی، اور جیسے کہ حالات نے گواہی دے دی ہے افغانستان میں بھی — دوسری طرف مصر، سوڈان اور ترکی اور شام و عراق میں بھی اسلامی تحریک مزاحم قوتوں سے ٹکر لیتی ہوئی بڑھ رہی ہے، روس کے سامنے اب ایک عملی جوابی انقلاب کا بھاری سیلاب موجزن ہے۔ یہ ایمانی سیلاب ٹینکوں اور میزائیلوں اور خلائی گاڑیوں کے زور سے رُکنے کا نہیں ہے۔ گویا رُوس کے اشتراکی نظام اور فلسفے کو براہِ راست ایک ایسا خطرہ پیش آ گیا ہے جس کا تجربہ اُسے مغربی سرمایہ دار ممالک کی طرف سے کبھی پیش نہ آیا تھا۔ وہ تو اس وقت ہڑبڑا کر اور گھبرا کر فکل کھڑا ہوا ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے کسی کو یکایک دَورہ پڑ جائے۔

وہی مذہب جسے رُوس کا دینِ مادیت افیون کہتا ہے اُسی نے افغانستان کے بچے بچے کو ایک راکٹ اور میزائیل بنا دیا ہے۔ اور جانبازوں کے خون کی موجیں اُسے کسی طرف قدم بڑھانے نہیں دیتیں۔ اوّل تو افغانستان ہی کا کمبل اُسے نہ چھوڑے گا، اگر اور آگے بڑھے تو ایک طرف ایران اور دوسری طرف پاکستان دونوں کی اسلامی تحریکات اُسے بے بس کر کے رکھ دیں گی۔ بنا برایں میری ذاتی رائے یہ ہے کہ:

احمق ہیں وہ لوگ جو اس وقت رُوس سے ڈر کر اور دب کر بات کرنا چاہتے ہیں۔

اِس وقت جو فیصلہ کن مرحلہ اشتراکیت کو در پیش ہے، اُس میں اگر دُنیا بھر کے مسلمان ایران اور افغانستان کی طرح اسلامی انقلاب کی تحریک کو آگے لے چلنے کا فیصلہ کریں، اور پھر اگر رُوسی جارحیت کا سامنا کرنا پڑے تو افغانستانی مجاہدین کی طرح ایسا بھرپور کردار ادا کریں کہ (باقی برصفحہ ۷۸)